Quarterly

Marifat-e-Islam

(Research Journal)
Volume 2, Issue 7

Title:

علم تفسیر میں اسرائیلی روایات کی شرعی حیثیت

Author(s):

کشف الدجیٰ

Kashaf-ud-duja

Published on:
Apr – Jun 2020

Publisher:

ون نیس مسلمز

onenessmuslims@gmail.com

Marifat-e-Islam

Kashaf-ud-duja

علم تفسیر میں اسرائیلی روایات کی شرعی حیثیت

The Shariah Stance of The Israeli narrations in The Interpretation

کشف الدُجیٰ
Kashaf-ud-duja

ABSTRACT

Israeli narrations are called the narrations that have come to us from Jews and Christians. The following is also the reasons for the interference in the Israeli interpretation and the guidelines regarding The Israeli Law are also listed and The Israeli narrations are explained by examples.

Key Words: Tafseer, Ilam Al-Tafseer, Israeliat in Sharia, Narrations.

علم تفسیر سے مراد ایسا علم ہے جس سے قرآن کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے۔ چونکہ تفسیر قرآن کی آیات کی جاتی ہے لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ اولین درجے پر قرآن کی آیت کی تشریح دوسری آیت میں تلاش کی جائے اور دوسرے نمبر پر حدیث کا درجہ ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کے دیگر ماخذ ہیں۔ تفسیر کے غیر مستند ماخذ میں اسرائیلی روایات کا شمار کیا جاتا ہے۔

اسرائیلی روایات ان روایات کو کہتے ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اسرائیلی روایات کو تین اقسام میں بیان کیا جاتا ہے۔ اسرائیلیات کو بیان کرنے کے دو قاعدے ہیں۔ ذیل میں اسرائیلی روایات کے تفسیر میں دخل اندازی کے اسباب بھی بیان کیے جارہے ہیں۔ اور اسرائیلی روایات کے متعلق رہنما اصول بھی درج کیے گئے ہیں اور اسرائیلی روایات کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ اسرائیلی روایتوں کو بطور ماخذ استعمال کر کے بظاہر تفسیر کی کوئی کتاب مرتب نہیں کی گئی۔ کچھ تفاسیر میں ان روایات کو بیان کیا گیا ہے۔

علمِ تفسیر اور اسرائیلی روایات

لفظ تفسیر دراصل 'فسر' سے نکلا ہے جس کے معنی کھولنا ہیں۔ چونکہ تفسیر میں قرآن کے مبہم الفاظ کو کھول کر اور واضح کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے علمِ تفسیر کہا جاتا ہے۔

علامہ زرکشیؒ نے علمِ تفسیر کی مختصر تعریف یوں کی ہے:

"لم یعرف به فهم کتاب الله المنزل علٰی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم وبیان معانیه واستخراج

احکامه وحکمه"[1]

"وہ علم جس سے قرآن کریم کا فہم حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جاسکے۔"

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ تفسیر قرآنی الفاظ کی ادائیگی کے طریقے بتاتی ہے۔ قرآنی الفاظ کے معانی اور مفہوم کو سمجھنے میں تفسیر اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ترکیبی احکام سے مراد کہ آیت اپنے سیاق وسباق کیا معنی دیتا ہے۔ آیت کا پس منظر، شانِ نزول اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کا علم تفسیر کے ہی ذریعے معلوم کیا جاتا ہے۔

اسرائیلی روایات

یہودیت کی ایک دینی تہذیب ہے اور عیسائیت کی اپنی مستقل ثقافت ہے۔ ایک کا سرچشمہ تورات ہے اور دوسری کا سرچشمہ انجیل۔ ظہور اسلام کے بعد بہت سارے یہود ونصاری اسلام میں داخل ہوئے۔ مناع القطان بیان کرتے ہیں:

"وحيث دخل اهل الكتاب في الاسلام فقد حملوا ثقافتهم الدينة من الاخباروالقصص الديني، وهؤلاحين يقراؤن قصص القرآن قد يتعر ضون لزكر التفصيلات الوردة فی کتبهم"[2]

"جب اہل کتاب اسلام میں داخل ہوئے تو وہ اپنی ثقافت جو کہ دینی قصص اور اخبار پر مشتمل تھی وہ بھی ساتھ لائے اور جب انہوں نے قرآنی قصص کی تلاوت کی تو انہوں نے ان قصائص سے متعلقہ اپنی سابقہ کتابوں میں مذکور تفصیلات کو بیان کرنا شروع کر دیا۔"

قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے احوال، امم ماقیہ کی اخبار اور کچھ دیگر ایسی چیزیں مذکور ہیں جو تورات وانجیل کا بھی موضوع رہی ہیں۔ قرآن میں ان واقعات کو مجملاً بیان کیا گیا ہے اور تورات وانجیل میں ان کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اسرائیلیات کی اقسام

اسرائیلی روایات کا حکم بیان کرتے ہوئے مشہور محقق ومفسر الشیخ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر نے ان روایات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے[3]

1: زرکشی، بدرالدین محمد بن عبد اللہ، البرہان فی علوم القرآن، دارالتراث، قاہرہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۱۳، ج ۱

2: قطان، مناع خلیل، مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ وھبۃ، القاہرہ، ۲۰۰۰ء، ص ۳۴۴

3: ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (مترجم: مولانا محمد جوناگڑھی)، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص ۲۵

(۱) اسرائیلیات معتبرہ

پہلی قسم میں وہ اسرائیلیات شامل ہیں کہ جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہو۔ مثلاً غرق فرعون، ساحران فرعون، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا کوہ طور پر جانا، حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا جنات پر حکومت کرنا اور جانوروں کی بولیاں سمجھنا۔ یہ روایات اس لیے قابل اعتبار ہیں کہ ان کی تصدیق قرآن اور احادیث سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ انجیل میں ہے:

"اُس نے کہا کہ اِدھر پاس مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ جس جگہ تُو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے۔"(1)

اور قرآن مجید میں ہے:

"اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی"(2)

"یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے، کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے۔"

یہاں تک بائبل مقدس اور قرآنِ مجید کا بیان تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔

(۲) اسرائیلیات کاذبہ غیر معتبر

دوسری قسم میں وہ اسرائیلیات ہیں جن کا جھوٹا اور غیر یقینی ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو، مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) آخری عمر میں بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) اسی طرح حضرت داؤد (علیہ السلام) کے متعلق یہ سراسر جھوٹ ہے کہ وہ اپنے سپہ سالار کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے (العیاذ باللہ)۔ کہ ان کا جھوٹا ہونا یقینی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"وَمَا كَفَرَ سُلَیۡمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ كَفَرُوۡا"(3)

"سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا۔"

اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ:

"حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اپنے سپہ سالار "اوریا" کی بیوی سے زنا کیا، اسے (اوریا) مختلف تدبیروں

1: خروج ۳:۵

2: طٰہٰ ۲۰:۱۲

3: البقرہ ۲:۱۰۲

سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

تب داؤد نے لوگ بھیج کر اُس عورت کا حال دریافت کیا اور اُسے بُلا لیا۔

وہ اُس کے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی۔[1]

"لا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الكِتَابِ وَلا تُكَذِّبُوهُمْ"[2]

"اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ نہ تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب یہ اس وجہ سے ہے کہ جن باتوں کی وہ خبر دے رہے ہیں وہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رکھتی ہیں، اگر فی الواقع وہ سچ ہوں اور تم ان کی تکذیب کر دو یا اگر وہ جھوٹ ہوں اور تم اس کی تصدیق کر دو تو دونوں اعتبار سے حرج اور تنگی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے ان کی بیان کردہ باتوں کو سن کر نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب تا کہ فتنہ میں نہ پڑو۔

اسرائیلیات کا حکم

امام ابن کثیر نے سورۃ کہف کی تفسیر میں ان آیات کے ذیل چند قوانین، قرآنی روشنی میں مرتب فرمائے ہیں:

"سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ"[3]

"کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا غیب کی باتوں میں اٹکل (کے تیر تکے) چلاتے ہیں کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جاننے والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق چند اسرائیلی روایات ذکر کیں ہیں اور اس کے ساتھ "رَجْمًا بِالْغَيْبِ"[4] کہہ کر مندرجہ ذیل باتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

1: سموئیل ۱۱:۳

2: بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، بیت الافکار، بیروت، لبنان، ۲۰۰۵ء، کتاب تفسیر القرآن، باب: قولو امنا باللہ وما انزل علینا، رقم الحدیث: ۴۴۸۵

3: الکہف ۱۸:۲۲

4: ایضاً

(۱) اسرائیلی روایات اور ان کا اختلاف بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔
(۲) جو روایات غلط ہوں ان کی تنبیہ کر دینی چاہیے۔
(۳) ان روایات کے صدق و کذب کے متعلق یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ حقیقی علم صرف اللہ کے پاس ہے۔
(۴) ایسی روایات میں زیادہ تحقیق و تفتیش اور بحث و مباحثہ سے پرہیز کرنا چاہیے۔
(۵) ایسی روایات کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا اس لیے اس میں زیادہ انہماک اور اس کا زیادہ بیان مناسب نہیں۔
(۶) مسکوت عنہ (ایسی روایات جن کی تصدیق و تکذیب کے بارے میں قرآن و سنت خاموش ہیں) اسرائیلی روایات کو بیان کرنا اور بات ہے اور ان کی روشنی میں تفسیر قرآن پیش کرنا بالکل الگ چیز ہے۔ علامہ احمد شاکر اس فرق پر توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان اباحة التحدث عنهم فيماليس عندنا دليل على صدقو ولا كذبه شيءٌ وذكرذالك فى تفسير القرآن وجعله قولا اوروايته فى معنى الآيات، اوفى تعيين مالم يعين فيها،اوفى تفصيل ما اجمل فيها شيء آخر! لان فى اثبات مثل ذالک بجوار كلام الله مايوهم ان هذا الذي لانعرف صدقه ولا كذبه مبين لمنى قول الله سبحانه، ومفصل لما اجمل فيه! وحاشا الله ولكتابه من ذالك. وان رسول الله ﷺ اذ اذن بالتحدث عنهم امرنا ان لا نصدقهم، ولانكذبهم ،فايُّ تصديق لروايتهم و اقاويلهم اقوي من ان نقربها بكتاب الله، ونضعها منه موضع التفسير، أو البيان؟"[1]

ایسی اسرائیلی روایات جن کی تصدیق و تکذیب کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، انہیں محض بیان کرنا اور چیز ہے اور انہیں تفسیر قرآن میں ذکر کرنا، آیات کے مفہوم میں ایک قول یا روایت کے طور پر پیش کرنا اور ان کی روشنی میں مبہمات کی تعین اور مجملات کی تفصیل بیان کرنا بالکل الگ چیز ہے۔ چونکہ ان اسرائیلی روایات کو کلام الٰہی کے ساتھ ساتھ رکھنے سے یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ روایات جن کی تصدیق و تکذیب ہمیں معلوم نہیں، کلام الٰہی کی وضاحت کر رہی ہیں اور اجمالات کی تفصیل بیان کر رہی ہیں۔ اللہ اور اس کی کتاب اس سے محفوظ رہے۔ رسول ﷺ نے بیان کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ہمیں تصدیق و تکذیب نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے بڑھ کر کیا تصدیق ہو گی ان روایات کی کہ کتاب اللہ کے ساتھ لے آئیں اور انہیں تفسیر و تشریح کا درجہ دے دیں؟

1: السبت، خالد بن عثمان، قواعد تفسیر جمعا و دراسۃ، دار ابن عفان، ۱۴۲۱ء، ج ۱، ص ۱۸۱

تفسیر القرآن میں اسرائیلیات کی دخل اندازی کے اسباب

پہلا سبب: عرب لوگوں کی امیت

بعض اسرائیلی روایات کے بارے میں امام ابن خلدون کا بیان کردہ سبب واقعہ صحیح صورت حال کی ترجمانی کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقدمے میں لکھا:

متقدمین نے جب تفسیر کی کتابوں کو مدون کیا تو ان کے سامنے روایات کا جو ذخیرہ تھا وہ سب کا سب بلا تحقیق اپنی کتابوں میں لے لیا، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اہل عرب نہ تو اور نہ کبھی ان میں علم رہا۔ عربوں کے پڑوس میں پڑھا لکھا طبقہ یہودیوں کا تھا۔ عام یہودی بھی عربوں کے ساتھ بدویانہ زندگی گزارتے تھے، اس لیے ان کی معلومات بھی عوام جیسی تھی۔ پھر اسلام آیا اور ان تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے ذہنوں اور حافظوں میں پہلے کے سنے سنائے قصے پڑے ہوئے تھے۔ یہ تخلیق عالم کی داستانیں، بادشاہوں کی جنگوں اور عربوں کی آپس کی لڑائیوں کی کہانیاں تھیں یا اس طرح دین و شریعت سے غیر متعلق دوسرے واقعات تھے، اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے اپنی مجلسوں میں اپنے آباواجداد سے سنے ہوے قصوں کو مسلمانوں میں بیان کرنا شروع کر دیا، ان بیان کا باعث فساد عقیدہ نہیں تھا بلکہ قدیمی داستان کے طور پر اس کو بیان کرتے تھے۔

بعد میں جب تفسیر کی کتابیں مرتب ہونے لگیں تو یہی قصے اور داستانیں اور موقعوں پر درج کر دیں گئیں جہاں قرآن نے واقعات نہیں قصص کو مجموعی طور پر بیان کیا گیا ہے، حالانکہ ان واقعات کا احکام سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے اس کی صحت کی زیادہ تحقیق نہیں کی گئی کیونکہ ان پر اعتقاد رکھنا یا ایمان لانا، ان پر عمل کرنا ضروری نہیں تھا اس لیے مفسرین نے اسے قبول کر لیا اور کتابوں میں درج کر دیا حالانکہ ان تمام روایتوں کا سرچشمہ در حقیقت وہی یہودی ہیں جو بدویانہ زندگی گزار رہے تھے، ان واقعات کے سلسلہ میں بیان کرنے والوں اور سننے والوں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ حقیقت کیا ہے؟ اور کہاں تک یہ صحیح ہیں، اس کے باوجود یہ روایتیں مشہور ہیں کیونکہ وہ خود مسلمان ہونے کے بعد قابل عزت سمجھے جاتے رہے اس لیے ان کی روایتوں کو قبول کر لیا گیا۔[1]

دوسرا سبب: منافقوں کی سازش

یہ قسم ان روایتوں کی ہے جن کا منبع اور مخرج تو ضرور یہودیت ہے لیکن ان کے بیان کرنے والوں اور مسلمانوں کی مجلسوں میں اس کا ذکر کرنے والوں کی نیت میں کوئی فتور نہیں تھا، ان کا مقصد بھی برا نہیں تھا انہوں نے بطور قصہ و کہانی اس کا

1: ابن خلدون، علامہ عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، (مترجم: سیّد قاسم محمود)، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص ۴۹۱

ذکر کیا ہے۔ جیسے گاؤں کی چوپال میں کہانیاں کہی اور سنی جاتی ہیں، نہ کوئی ان کو سچ مانتا ہے اور نہ سنانے والا اس نیت سے سناتا ہے کہ لوگ اس کو سچ سمجھیں، یہ وقت گزاری کا ایک مشغلہ تھا، یہ کوئی خاص معیوب بات نہ تھی۔ مگر ان سادہ دل لوگوں کی روایتوں کے علاوہ ان روایتوں کا بھی انبار تھا جو بدنیتی اور اسلام دشمنی کے زیر اثر لوگوں کے ذریعہ پھیلائی گئ تھیں۔ یہ ان لوگوں کا کارنامہ تھا جو اسلام اور بانی اسلام سے دلی بغض و عداوت رکھتے تھے، مگر وہ اپنی اسلامی دشمنی میں کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے اسلام کالبادہ اوڑھ دیا اور منافقوں کی زندگی اختیار کرکے ایک زبردست سازش اختیار کی کہ اسلام کے اندر ایسے توہمات بعید از عقل واقعات اور اختلافات قصوں کو رواج دے دیا جائے جو اسلام کی ساری تعلیم کو بے وزن بنادیں، اسلام کے تاریخی تسلسل کو دیومالائی واقعات کی ایک کڑی بنادیں، ان کی ساری روایات توہم پرستی کا ثمرہ کہی جانے لگیں، ایسے لوگ بدنیتی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس محاذ پر بڑے زور و شور سے کام شروع کر دیا، چونکہ خاندان رسالت سے اپنی شیفتگی کا اظہار کرتے تھے اس لیے عام لوگ ان کہانیوں پر دھیان دیتے تھے اور ان کا اعتبار کرتے تھے اور اس طرح ان کو مقبولیت حاصل ہو جاتی تھی۔

تیسرا سبب: قصہ گو اعظین

مسلمانوں میں ان روایات کے پھیلنے کی ایک وجہ قصہ گو اعظین بھی تھے جو عوام کی عجوبہ پسند طبیعتوں کو مد نظر رکھ کر عجیب و غریب، حیرت ناک واقعات بیان کرتے تھے، ان کو ان روایتوں کو سچے اور جھوٹے ہونے سے کوئی سروکار نہ تھا، ان کو اپنی فتوحات سے مطلب تھا۔ وہ عوام کی دلچسپی کے لیے ان جھوٹے اور اسرائیلی قصوں کو مذہبی رنگ میں بیان کرتے تھے اور لوگ بڑی دلچسپی سے ان کو سنتے تھے، جب اس فتنہ نے زور پکڑا تو مختلف عہدوں میں ان قصہ گو واعظوں کو بہ جبر مسجدوں سے نکالا گیا ان پر پابندیاں عائد کی گئیں کہ ذہنوں کو خراب کرنے والی ان روائیتوں کی وجہ سے عام مسلمانوں کو محفوظ رکھا جائے۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانے میں اور عبد اللہ بن عمرؓ نے ایسے بے بنیادی اور فرضی واقعات بیان کرنے والوں کو مسجدوں سے نکلوایا ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ اور اسرائیلی روایات

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نہایت اختصار کے ساتھ مگر جامع بات لکھی ہے کہ تفسیر میں اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا دراصل یہ بھی ایک سازش ہے جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو،

1: عبید الرحمن محسن، ڈاکٹر، برصغیر میں اصول تفسیر کے منہاج واثرات، اردو بازار، لاہور ۲۰۱۲ء، ص ۲۰۰۔ ۲۰۱

لٰہذا اس قاعدہ کی بنیاد پر دو باتیں نہایت ضروری ہیں:

(۱) جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو تو اسرائیلی روایات کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہئے تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو کیونکہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ضروری بات بقدر ضرورت مانی جاتی ہے۔[1]

اہل کتاب کی روایات نقل کرنے والے حضرات

عہد صحابہ اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی تفسیر قرآن کے ماخذ کے طور پر یہود و نصاریٰ رہے ہیں، کیونکہ قرآن کریم بعض مسائل میں عموماً اور قصص انبیاء اور اقوام سابقہ کے کوائف واحوال میں خصوصاً تورات کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسی طرح قرآن کریم کے بعض بیانات انجیل سے بھی ملتے ہیں؛ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ اور ان کے معجزات وغیرہ۔ اسرائیلی روایات کا مدار وانحصار زیادہ تر حسب ذیل چار راویوں پر ہے:

عبد اللہ بن سلامؓ، کعب احبار، وھب بن منبہ، عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج، جہاں تک عبد اللہ بن سلامؓ کی بات ہے تو آپ کے علم وفضل میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور ثقاہت وعدالت میں آپ اہل علم صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، آپؓ کے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور دیگر محدثین نے آپ کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ حضرت کعب احبار بھی ثقہ راویوں میں سے ہیں، انہوں نے زمانہ جاہلیت کا زمانہ پایا اور خلافت صدیقی یا فاروقی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خلافت فاروقی میں آپ کے اسلام لانے کی بات مشہور تر ہے۔[2] تفسیر کے ناقابل اعتبار مآخذ میں ایک اہم ترین ناقابل اعتبار ماخذ اسرائیلی روایات ہیں یا اسرائیلیات ہیں، اس لئے کہ بہت بعض اوقات ان روایات کو غلط رنگ دے کر بہت سے لوگ گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علم تفسیر کے ذخیرے میں ان روایات کی بہت بہتات ہے، جس نے تفسیر جیسے مقدس اور پاکیزہ علم کو مکدر کر دیا اور کئی تعلیم یافتہ ذہنوں کو الجھا کر کفر والحاد تک پہنچا دیا۔

خلاصہ بحث

قرآن کریم جو اللہ تبارک وتعالی کا عظیم ترین اور مقدس ترین کلام ہے اور رسول کریم ﷺ کا حیرت انگیز ابدی ودائمی معجزہ ہے، سب سے بڑا اعجاز اس کلام مبارک کا یہ بھی ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالی نے لی ہے جو اس دنیا

1: محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر، (مترجم: مولانا سعید احمد)، دار الاشاعت، کراچی، س ن، ص ۴۳۵۔۴۳۴

2: ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۳۷۹ء، ج ۱، ص ۱۵۷

میں ازل سے کسی اور کتاب یا صحیفہ آسمانی کو نصیب نہیں ہوا اور علوم و معارف کے اس گنجینۂ گراں مایہ کی حفاظت اور خدمت کے لیے انسانوں ہی میں سے مختلف علوم کے مختلف افراد کا انتخاب فرمایا یہ کلام ایک بحر بیکراں ہے جس کو مختلف زبانوں میں علمائے امت نے اپنی صبح و شام کی محنتوں کا محور بنایا، آج انہی علماء کرام اور مفسرین عظام کی کوششوں اور کاشوں کا ثمرہ ہے کہ مختلف زبانوں میں قرآن کی تفسیر موجود ہے۔اسرائیلی روایات محض من گھڑت قصے اور کہانیاں ہیں۔اسرائیلیات کو استشہاد کے لیے تو روایت کیا جاسکتا ہے مگر اعتقاد کے لیے نہیں۔

کتابیات

1. القرآن الکریم
2. ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۳۷۹ء
3. ابن خلدون، علامہ عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، (مترجم: سیّد قاسم محمود)، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء
4. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (مترجم: مولانا محمد جونا گڑھی)، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء
5. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، بیت الافکار، بیروت، لبنان، ۲۰۰۵ء
6. زرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، البرهان فی علوم القرآن، دار التراث، قاهرہ، ۱۳۷۶ھ
7. السبت، خالد بن عثمان، قواعد تفسیر جمعاو دراسۃ، دار ابن عفان، ۱۴۲۱ء
8. عبید الرحمن محسن، ڈاکٹر، بر صغیر میں اصول تفسیر کے منہاج واثرات، اردو بازار، لاہور ۲۰۱۲ء
9. قطان، مناع خلیل، مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ وھبۃ، القاھرہ، ۲۰۰۰ء
10. محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر، (مترجم: مولانا سعید احمد)، دار الاشاعت، کراچی، س ن